رہتے ہیں افسردگی سے سخت بیدردانہ ہم
شعلہ ہا نذرِ سمندر بلکہ آتش خانہ ہم

حسرتِ عرضِ تمنا یاں سے سمجھا چاہیے
دو جہاں حشرِ زبانِ خشک ہیں جوں شانہ ہم

کشتیِ عالم بہ طوفانِ تغافل دے کہ ہیں
عالمِ آبِ گدازِ جوہرِ افسانہ ہم

وحشتِ بے ربطی پیچ و خمِ ہستی نہ پوچھ
ننگِ بالیدن ہیں جوں موئے سرِ دیوانہ ہم

باوجودِ یک جہاں ہنگامہ پر موہوم ہیں
ہیں چراغانِ شبستانِ دلِ پروانہ ہم

ردیف ن

[1] خوش وحشتے کہ عرضِ جنونِ فنا کروں
جوں گردِ راہ، جامۂ ہستی قبا کروں

گر بعدِ مرگ وحشتِ دل کا گلہ کروں
موجِ غبار سے پرِ یک دشت وا کروں

۱- اس غزل کے حاشیے پر نو اشعار کی یہ غزل درج ہے (موٹا قلم، شکستہ خط):

وہ فراق اور وہ وصال کہاں
وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

آ اے بہارِ ناز! کہ تیرے خرام سے
دستار گردِ شاخِ گلِ نقشِ پا کروں

خوش اوفتادگی کہ بہ صحرائے انتظار
جوں جادہ گردِ رہ سے نگہ سرمہ سا کروں

صبر اور یہ ادا کہ دل آوے اسیرِ چاک
درد اور یہ کمیں کہ رہِ نالہ وا کروں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فرصتِ کاروبارِ شوق کسے
ذوقِ نظارۂ جمال کہاں

دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا
شورِ سودائے خط و خال کہاں

تھی وہ خوباں ہی کے تصور سے
اب وہ رعنائیِ خیال کہاں

ہم سے چھوٹا قمارخانۂ عشق
واں جو جائیں گرہ میں مال کہاں

فلکِ سفلہ بے محابا ہے
اس ستمگر کو انفعال کہاں

بوسے میں وہ مضائقہ نہ کرے
پر مجھے طاقتِ سوال کہاں

فکرِ دنیا میں سر کھپاتا ہے
میں کہاں اور یہ وبال کہاں

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب
وہ عناصر میں اعتدال کہاں

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ قلمی دیوان کے کاتب نے ساتویں شعر میں لفظ ''مضائقہ'' کو ''مضاعقہ'' لکھا ہے۔

وہ بے دماغِ منتِ اقبال ہوں کہ میں
وحشت بہ داغِ سایۂ بالِ ہما کروں

وہ التماسِ لذتِ بیداد ہوں کہ میں
تیغِ ستم کو پشتِ خمِ التجا کروں

وہ رازِ نالہ ہوں کہ بشرحِ نگاہِ عجز
افشاں غبارِ سرمہ سے فردِ صدا کروں

لوں وام بختِ خفتہ سے یک خوابِ خوش اسد
لیکن یہ بیم ہے کہ کہاں سے ادا کروں

●

[1] غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں
بوسے کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں

پرسشِ طرزِ دلبری کیجیے کیا کہ بن کہے
اس کے ہر اک اشارے سے نکلے ہے یہ ادا کہ یوں

۱- اس غزل کے حاشیے پر اشعار ذیل درج ہیں (موٹا قلم ، شکستہ خط) ۔ لطف یہ ہے کہ دوسرے شعر کا مصرع اول یوں شروع کیا ہے : ''رات سے غیر کیا بنی . . .''
یہاں یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ مفتی انوار الحق کے نسخے میں یہ چار شعر بہ ترتیب ذیل طبع ہوئے ہیں : ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۱ :

گر ترے دل میں ہو خیال وصل میں شوق کا زوال
موج محیطِ آب میں مارے ہے دست و پا کہ یوں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

رات کے وقت مے پیے ، ساتھ رقیب کو لیے
آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں

بزم میں اس کے روبرو کیوں نہ خموش بیٹھیے
اس کی تو خامشی میں بھی ہے یہی مدعا کہ یوں

میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہیے غیر سے تہی
سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

جو یہ کہے کہ ریختہ کیونکہ ہو رشکِ فارسی
شعر اسد کے ایک دو پڑھ کے اسے سنا کہ یوں

●

[1] آنسو کہوں کہ آہ سوارِ ہوا کہوں
ایسا عناں گسیختہ آیا کہ کیا کہوں

اقبالِ کلفتِ دلِ بے مدعا رسا
اختر کو داغِ سایۂ بالِ ہما کہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

غیر سے رات کیا بنی ، یہ جو کہا تو دیکھیے
سامنے آن بیٹھنا ، اور یہ دیکھنا کہ یوں
مجھ سے کہا جو یار نے جاتے ہیں ہوش کس طرح
دیکھ کے میری بے خودی چلنے لگی ہوا کہ یوں
کب مجھے کوئے یار میں رہنے کی وضع یاد تھی
آئنہ دار بن گئی حیرتِ نقشِ پا کہ یوں

۱- اس غزل کے حاشیے پر یہ تین شعر درج ہیں ۔ موٹے قلم سے شکستہ مگر خوش خط لکھے ہوئے یہ شعر غالب کی تحریر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مضمونِ وصل ہاتھ نہ آیا مگر اسے
اب طائرِ پریدۂ رنگِ حنا کہوں

حلقے ہیں چشم ہائے کشادہ بسوے دل
ہر تارِ زلف کو نگہِ سرمہ سا کہوں

دزدیدنِ دلِ ستم آمادہ ہے محال
مژگاں کہوں کہ جوہرِ تیغِ قضا کہوں

طرز آفرینِ نکتہ سرائیِ طبع ہے
آئینۂ خیال کو طوطی نما کہوں

غالب ہے رتبہ فہمِ تصور سے کچھ پرے
ہے عجزِ بندگی جو علی کو خدا کہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

معلوم ہوتے ہیں ۔ مفتی انوار الحق کے نسخے میں ترتیب اشعار قلمی دیوان کے اندراج کے مطابق نہیں ہے ۔ اشعار ذیل میں قلمی دیوان کے حاشیے کے اندراج کی ترتیب ملحوظ رہی ہے :

عہدے سے مدح ناز کے باہر نہ آ سکا
گر اک ادا ہو تو اسے اپنی قضا کہوں

ظالم مرے گماں سے مجھے منفعل نہ چاہ
ہے ہے خدا نہ کردہ تجھے بے وفا کہوں

میں اور صد ہزار نوائے جگر خراش
تو اور ایک وہ نشنیدن کہ کیا کہوں

ہم سے کھل جاؤ بوقتِ مے پرستی ایک دن
ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عذرِ مستی ایک دن

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

غرّۂ رفعت بنائے عالمِ امکاں نہ ہو
اس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ایک دن

نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے
بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن

دھول دھپّا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

طاؤسِ نمط داغ کے گر رنگ نکالوں
یک فرد نسب نامۂ نیرنگ نکالوں

کُو تیزیِ رفتار کہ صحرا سے زمیں کو
جوں قمریِ بسمل تپش آہنگ نکالوں

دامانِ شفق طرفِ نقابِ مہِ نو سے[1]
ناخن کو جگر کاوی میں بیرنگ نکالوں

کیفیت دیگر ہے فشارِ دلِ خونیں
یک غنچہ سے صد خُمِ مۓ گلرنگ نکالوں

۱- عرشی : ''ہے'' (''سے'' کے بجائے) ۔

پیمانۂ وسعت کدۂ شوق ہوں اے رشک
محفل سے مگر شمع کو دل تنگ نکالوں

گر ہو بلدِ شوق مری خاک کو وحشت
صحرا کو بھی گھر سے کئی فرسنگ نکالوں

فریاد اسد غفلتِ رسوائیِ دل سے
کس پردے میں فریاد کی آہنگ نکالوں

●

سودائے عشق سے دمِ سردِ کشیدہ ہوں
شامِ خیالِ زلف سے صبحِ دمیدہ ہوں

دورانِ سر سے گردشِ ساغر ہے متّصل
خمخانۂ جنوں میں دماغِ رسیدہ ہوں

کی متّصل ستارہ شماری میں عمر صرف
تسبیحِ اشک ہائے ز مژگاں چکیدہ ہوں

دیتا ہوں کشتگاں کو سخن سے سرِ تپش
مضرابِ تار ہائے گلوئے بریدہ ہوں

ہے جنبشِ زباں بہ دہن سخت ناگوار
خوں نابۂ ہلاہلِ حسرت چشیدہ ہوں

جوں بوئے گل ہوں گرچہ گرانبارِ مشتِ زر
لیکن اسد بہ وقتِ گزشتن جریدہ ہوں

●

کیا ضعف میں امید کو دل تنگ نکالوں
میں خار ہوں آتش میں چبھوں رنگ نکالوں

نے کوچۂ رسوائی و زنجیر پریشاں
اے نالہ میں کس پردے میں آہنگ نکالوں

یک نشوونما جا نہیں جولانِ ہوس کو
ہر چند بمقدارِ دلِ تنگ نکالوں

یک جلوۂ خورشید خریدارِ وفا ہو
جوں ذرۂ صد آئنہ بیرنگ نکالوں[1]

افسردۂ تمکیں ہے نفس گرمیِ احباب
پھر شیشے سے عطرِ شررِ سنگ نکالوں

ضعف آئنہ پردازیِ دستِ دگراں ہے
تصویر کے پردے میں مگر رنگ نکالوں

ہے غیرتِ الفت کہ اسد اُس کی ادا پر
گر دیدہ و دل صلح کریں جنگ نکالوں

●

[2]خوں در جگر نہفتہ بہ زردی رسیدہ ہوں
خود آشیانِ طائرِ رنگِ پریدہ ہوں

۱- عرشی : ''جوں ذرہ صد آئینۂ بیرنگ نکالوں'' -
۲- اس غزل کے حاشیے پر یہ دو شعر موٹے قلم سے شکستہ خط میں درج ہیں :

سر پر مرے وبالِ ہزار آرزو رہا
یارب میں کس غریب کا بختِ رمیدہ ہوں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

ہے دست رد بسیرِ جہاں بستنِ نظر
پائے ہوس بہ دامنِ مژگاں کشیدہ ہوں

میں چشم وا کشادہ و گلشن نظر فریب
لیکن عبث کہ شبنمِ خورشید دیدہ ہوں

تسلیم سے یہ نالۂ موزوں ہوا حصول
اے بے خبر! میں نغمۂ چنگِ خمیدہ ہوں

پیدا نہیں ہے اصلِ تگ و تازِ جستجو
مانندِ موجِ آب زبانِ بریدہ ہوں

میں بے ہنر کہ جوہرِ آئینہ تھا عبث
پائے نگاہِ خلق میں خارِ خلیدہ ہوں

میرا نیاز و عجز ہے مفتِ بتاں اسد
یعنی کہ بندۂ بہ درم ناخریدہ ہوں

●

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

کسو کو زخود رستہ کم دیکھتے ہیں
کہ آہو کو پابندِ رم دیکھتے ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہوں گرمیِ نشاط تصور سے نغمہ سنج
میں عندلیبِ گلشنِ نا آفریدہ ہوں

عرشی صاحب نے دوسرے شعر کو "سودائے عشق سے دم سرد کشیدہ ہوں" والی غزل کے حاشیے کا اندراج بتایا ہے جو درست نہیں۔

خطِ لختِ دل یک قلم دیکھتے ہیں
مژہ کو جواہر رقم دیکھتے ہیں

دل آشفتگاں خالِ کنجِ دہن کے
سویدا میں سیرِ عدم دیکھتے ہیں

ترے سرو قامت سے اک قدِ آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

تماشا کر اے محوِ آئینہ داری
تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں

سراغِ تفِ نالہ لے داغِ دل سے
کہ شب رو کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

●

جوں مردمکِ چشم سے ہوں جمع نگاہیں
خوابیدہ بہ حیرت کدۂ داغ ہیں آہیں

پھر حلقۂ کاکل میں پڑیں دید کی راہیں
جوں دود فراہم ہوئیں روزن میں نگاہیں

پایا سرِ ہر ذرّہ جگر گوشۂ وحشت
ہیں داغ سے معمور شقایق کی کلاہیں

کس دل پہ ہے عزمِ صفِ مژگانِ خود آرا
آئینے کی پایاب سے اتری ہیں سپاہیں

دیرو حرم آئینۂ تکرارِ تمنا
واماندگیِ شوق تراشے ہے پناہیں
یہ مطلع اسد جوہرِ افسونِ سخن ہو
گر عرضِ تپاکِ جگرِ سوختہ چاہیں

مطلع

حیرت کشِ یک جلوۂ معنی ہیں نگاہیں
کھینچوں ہوں سویدائے دلِ چشم سے آہیں

●

[1] بقدرِ لفظ و معنی فکرت احرامِ گریباں ہیں
وگرنہ کیجیے جو ذرہ عریاں ہم نمایاں ہیں
عروجِ نشۂ واماندگی پیمانہ محمل تر
برنگِ ریشۂ تاک آبلے جادے میں پنہاں ہیں

۱- (الف) اس غزل کے حاشیے پر (موٹا قلم ، شکستہ خط) یہ شعر درج ہے :

مگر آتش ہمارا کوکبِ اقبال چمکا دے
وگرنہ مثلِ خار خشک مردودِ گلستاں ہیں

(ب) اسی غزل کے حاشیے پر موٹے قلم سے شکستہ خط میں حسب ذیل غزل درج ہے - یہ غزل مفتی انوار الحق کے نسخے میں صفحہ ۱۱۳ پر متن میں طبع ہوئی ہے :

مانع دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں
ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

یہ وحشت گاہِ امکاں اتفاقِ چشم مشکل ہے
مہ و خورشید باہم سازِ یک خوابِ پریشاں ہیں
نہ انشا معنیِ مضمون نہ املا صورتِ موزوں
عنایت نامہائے اہلِ دنیا ہرزہ عنواں ہیں
طلسمِ آفرینش حلقۂ یک بزمِ ماتم ہے
زمانے کی شبِ یلدا سے موئے سر پریشاں ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

شوق اس دشت میں دوڑائے ہے مجھ کو کہ جہاں
جادہ غیر از نگہِ دیدۂ تصویر نہیں
حسرت لذتِ آزار رہی جاتی ہے
جادۂ راہِ وفا جز دمِ شمشیر نہیں
رنجِ نومیدیِ جاوید گوارا رہیو
خوش ہوں گر نالہ زبونی کشِ تاثیر نہیں
سر کھجاتا ہے جہاں زخم سر اچھا ہو جائے
لذتِ سنگ بہ اندازۂ تقریر نہیں
آئنہ دام کو پردے میں چھپاتا ہے عبث
کہ پری زادِ نظر قابلِ تسخیر نہیں
مثل گل زخم ہے میرا بھی سناں سے توام
تیرا ترکش ہے کچھ آبستنِ تیر نہیں
جب کرم رخصتِ بے باکی و گستاخی دے
کوئی تقصیر بجز خجلتِ تقصیر نہیں
میر کے شعر کا احوال کہوں کیا غالب
جس کا دیوان کم از گلشنِ کشمیر نہیں

ریختے کا وہ ظہوری ہے ، بقولِ ناسخ
"آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں"

یہ کس خورشید [1] کی تمثال کا ہے جلوہ سیابی
کہ مثلِ ذرہ ہائے خاک آئینے پر افشاں ہیں

اسد بزمِ تماشا میں تغافل پردہ داری ہے
اگر ڈھانپے تو آنکھیں ڈھانپ ہم تصویرِ عریاں ہیں

●

جائے کہ پائے سیلِ بلا درمیاں نہیں
دیوانگاں کو واں ہوسِ خانماں نہیں

کس جرم سے ہے چشم تجھے حسرتِ قبول
برگِ حنا مگر مژۂ خوں فشاں نہیں

ہر رنگِ گردش آئنہ ایجادِ درد ہے
اشکِ سحاب جز بوداعِ خزاں نہیں

جز عجز کیا کروں بہ تمنائے بے خودی
طاقت حریفِ سختیِ خوابِ گراں نہیں

عبرت سے پوچھ دردِ پریشانیِ نگاہ
یہ گردِ وہم جز بہ سرِ امتحاں نہیں

گل غنچگی میں غرقۂ دریائے رنگ ہے
اے آگہی! فریبِ تماشا کہاں نہیں

برقِ بجانِ خوصلہ آتش فگن اسد
اے دل فسردہ طاقتِ ضبطِ فغاں نہیں

۱- مفتی انوار الحق کے نسخے میں بجائے ''خورشید'' کے لفظ ''ناہید'' طبع ہوا ہے - عرشی صاحب بھی فرماتے ہیں کہ قلمی نسخے میں ''ناہید'' ہے - یہ درست نہیں -

●

مرگ شیریں ہوگئی تھی کوہکن کی فکر میں
تھا حریرِ سنگ سے قطعِ کفن کی فکر میں

فرصتِ یک چشمِ حیرت شش جہت آغوش ہے
ہوں سپند آسا وداعِ انجمن کی فکر میں

وہ غریبِ وحشت آبادِ تسلی ہوں جسے
کوچہ دے ہے زخمِ دل صبحِ وطن کی فکر میں

سایۂ گل داغ و جوشِ نکہتِ گل موجِ درد [1]
رنگ کی گرمی ہے تاراجِ چمن کی فکر میں

فالِ ہستی خارخارِ وحشتِ اندیشہ ہے
شوخیِ سوزن ہے ساماں پیرہن کی فکر میں

غفلتِ دیوانہ جز تمہیدِ آگاہی نہیں
مغزِ سر خوابِ پریشاں ہے سخن کی فکر میں

مجھ میں اور مجنوں میں وحشت سازِ دعویٰ ہے اسد
برگ برگِ بید ہے ناخن زدن کی فکر میں

●

[2] ہے ترحّم آفریں آرائشِ بیداد یاں
اشکِ چشمِ دام ہے پروانۂ صیّاد یاں

۱- عرشی : ''دود'' (بجائے ''درد'') -
۲- اس غزل کے حاشیے پر یہ دو شعر تحریر کیے ہیں (موٹا قلم ،
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

ہے گدازِ موم اندازِ چکیدن ہائے خوں
نیشِ زنبورِ عسل ہے نشترِ فصّاد یاں
ناگوارا ہے ہمیں احسانِ صاحب دولتاں
ہے زرِ گل[1] سے نظر میں جوہرِ فولاد یاں
جنبشِ دل سے ہوئے ہیں عقدہ ہائے کار وا
کمتریں مزدورِ سنگیں دست ہے فرہاد یاں
قطرہ ہائے خونِ بسمل زیبِ داماں ہیں اسد
ہے تماشا کردنی گلچینیِ جلّاد یاں

●

اے نوا سازِ تماشا سر بکف جلتا ہوں میں
اک طرف جلتا ہے دل اور اک طرف جلتا ہوں میں
شمع ہوں لیکن بہ پا در رفتہ خارِ جستجو
مدّعا گم کردہ ہر سو ہر طرف جلتا ہوں میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)
شکستہ خط) :

دل لگا کر لگ گیا ان کو بھی تنہا بیٹھنا
بارے اپنے دردِ دل کی ہم نے پائی داد یاں
ہے مری وحشت عدوے اعتباراتِ جہاں
مہر گردوں ہے چراغِ رہگزارِ باد یاں

۱- مفتی انوارالحق کے مطبوعہ نسخے نیز نسخۂ عرشی میں یہاں "سے" کے بجائے "بھی" ہے ، مگر قلمی نسخے میں یہ مصرع بصورت بالا ہی درج ہے -

ہے مساسِ دستِ افسوس آتش انگیزِ تپش
بے تکلف آپ پیدا کرکے تف جلتا ہوں میں
ہے تماشا گاہِ سوزِ تازہ ہر یک عضوِ تن
جوں چراغانِ دوالی صف بہ صف جلتا ہوں میں
شمع ہوں تو بزم میں جا پاؤں غالب کی طرح
بے محل اے مجلس آرائے نجف جلتا ہوں میں

●

فتادگی میں قدم استوار رکھتے ہیں
برنگِ جادہ سرِ کوے یار رکھتے ہیں
برہنہ مستیِ صبحِ بہار رکھتے ہیں
جنونِ حسرتِ یک جامہ وار رکھتے ہیں
طلسمِ مستیِ دل آں سوے ہجومِ سرشک
ہم ایک میکدہ دریا کے پار رکھتے ہیں
ہمیں حریرِ شرر بافِ سنگ خلعت ہے
یہ ایک پیرہنِ زرنگار رکھتے ہیں
نگاہِ دیدۂ نقشِ قدم ہے جادۂ راہ
گزشتگاں اثرِ انتظار رکھتے ہیں
ہوا ہے گریۂ بے باک ضبط سے تسبیح
ہزار دل پہ ہم اک اختیار رکھتے ہیں
بساطِ ہیچ کسی میں برنگِ ریگِ رواں
ہزار دل بہ وداعِ قرار رکھتے ہیں

جنونِ فرقتِ یارانِ رفتہ ہے غالب
بسانِ دشت دلِ پُر غبار رکھتے ہیں

●

تنِ[1] بہ بندِ ہوس در نہ دادہ رکھتے ہیں
دلِ[1] ز کارِ جہاں اوفتادہ رکھتے ہیں

تمیزِ زشتی و نیکی میں لاکھ باتیں ہیں
بہ عکسِ آئنہ یک فردِ سادہ رکھتے ہیں

برنگِ سایہ ہمیں بندگی میں ہے تسلیم
کہ داغِ دل بہ جبینِ کشادہ رکھتے ہیں

بہ زاہداں رگِ گردن ہے رشتۂ زنار
سرے[1] بہ پائے بتے نا نہادہ رکھتے ہیں

معافِ بیہُدہ گوئی ہیں ناصحانِ عزیز
دلے بہ دستِ نگارے نہ دادہ رکھتے ہیں

برنگِ سبزہ عزیزانِ بدزباں یکدست
ہزار تیغ بہ زہراب دادہ رکھتے ہیں

زمانہ سخت کم آزار ہے بجانِ اسد
وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں

۱- مفتی انوارالحق کے مطبوعہ نسخے میں (نیز نسخۂ عرشی میں) ان لفظوں کا املا اسی طرح ملتا ہے - اگلے صفحے پر پانچویں شعر کے مصرع ثانی میں "دلے بہ دستِ نگارے . . ." آیا ہے -

●

بہ غفلت عطرِ گل ہم آگہی مخمور ملتے ہیں
چراغانِ تماشا چشمِ صد ناسور ملتے ہیں

رہا کس جرم سے میں بے قرارِ داغِ ہم طرحی
سمندر کو پرِ پروانہ سے کافور ملتے ہیں

چمن نامحرمِ آگاہیِ دیدارِ خوباں ہے
سحر گلہائے نرگس چند چشمِ کور ملتے ہیں

کجا جوہر چہ عکسِ خطِ بتاں وقتِ خود آرائی
دلِ آئینہ زیرِ پائے خیلِ مور ملتے ہیں

تماشائے بہار آئینۂ پردازِ تسکیں ہے
کفِ گلبرگ سے پائے دلِ رنجور ملتے ہیں

گراں جانی سبک سار و تماشا بے دماغ آیا
کفِ افسوسِ فرصت سنگِ کوہِ طور ملتے ہیں

اسد حیرت کشِ یک داغِ مشک اندودہ ہے یارب
لباسِ شمع پر عطرِ شبِ دیجور ملتے ہیں

●

[1] سرشک آشفتہ سر تھا قطرہ زن مژگاں سے جانے میں
رہے یاں شوخیِ رفتار سے پا آستانے میں

۱- اس غزل کے حاشیے پر یہ شعر لکھا ہے (موٹا قلم ، شکستہ) :
قیامت ہے کہ سن لیلیٰ کا دشت قیس میں آنا
تعجب سے وہ بولا ، یوں بھی ہوتا ہے زمانے میں

ہجومِ مژدۂ دیدار و پردازِ تماشا ہا
گلِ اقبالِ خس ہے چشمِ بلبل آشیانے میں
ہوئی یہ بے خودی چشم وزباں کو تیرے جلوے سے
کہ طوطی قفلِ زنگ آلودہ ہے آئینہ خانے میں
ترے کوچے میں ہے مشّاطۂ وامانداگی قاصد
پرِ پرواز زلفِ باز ہے ہدہد کے شانے میں
کجا معزولیِ آئینہ کُو ترکِ خود آرائی
نمد در آب ہے اے سادہ پُرکار اس بہانے میں
بحکمِ عجز ابروے مہِ نو حیرت ایما ہے
کہ یاں گم کر جبینِ سجدہ فرسا آستانے میں
دلِ نازک پہ اُس کے رحم آتا ہے مجھے غالب
نہ کر بے باک اس کافر کو الفت آزمانے میں

●

فزوں کی دوستوں نے حرصِ قاتل ذوقِ کشتن میں
ہوے ہیں بخیہ ہائے زخم ، جوہر تیغِ دشمن میں
تماشا کردنی ہے لطفِ زخمِ انتظار اے دل !
سویدا داغِ مرہم مردمک ہے چشمِ سوزن میں
دل و دین و خرد تاراجِ نازِ جلوہ پیرائی
ہوا ہے جوہرِ آئینہ خیلِ مورِ خرمن میں
ہوئی تقریبِ منعِ شوقِ دیدن خانہ ویرانی
کفِ سیلاب باقی ہے برنگِ پنبہ روزن میں

نکوہش مانعِ دیوانگی ہائے جنوں آئی
لگایا خندۂ ناصح نے بخیہ جیب و دامن میں
اسد زندانیِ تاثیرِ الفت ہاے خوباں ہوں
خمِ دستِ نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں

●

پاؤں میں جب وہ حنا باندھتے ہیں
میرے ہاتھوں کو جدا باندھتے ہیں
آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے ؟
ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں
حسنِ افسردہ دلی ہا رنگیں
شوق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں
تیرے بیمار پہ ہیں فریادی
وہ جو کاغذ میں دوا باندھتے ہیں
قید میں بھی ہے اسیری آزاد
چشمِ زنجیر کو وا باندھتے ہیں
شیخ جی کعبے کا جانا معلوم
آپ مسجد میں گدھا باندھتے ہیں
کس کا دل زلف سے بھاگا کہ اسد
دستِ شانہ بہ قفا باندھتے ہیں

●

ہوئی ہیں آب شرمِ کوششِ بے جا سے تدبیریں
عرق ریزِ تپش ہیں موج کی مانند زنجیریں

خیالِ سادگی ہائے تصور نقشِ حیرت ہے
پرِ عنقا پہ رنگِ رفتہ سے کھینچی ہیں تصویریں

زبس ہر شمع یاں آئینۂ حیرت پرستی ہے
کرے ہیں غنچۂ منقارِ طوطی نقش گل گیریں

سپند آہنگیِ ہستی و سعیِ نالہ فرسائی
غبار آلودہ میں جوں دودِ شمعِ کشتہ تقریریں

درشتیِ تامّل پنبۂ گوشِ حریفاں ہے
وگرنہ خواب کی مضمر ہیں افسانے میں تعبیریں

بتانِ شوخ کی تمکینِ بعد از قتل کی حیرت
بیاضِ دیدۂ نخچیر پر کھینچے ہے تصویریں

اسد طرزِ عروجِ اضطرابِ دل کو کیا کہیے
سمجھتا ہوں تپش کو الفتِ قاتل کی تاثیریں

●

تیرے توسن کو صبا باندھتے ہیں
ہم بھی مضموں کی ہوا باندھتے ہیں

تیری فرصت کے مقابل اے عمر!
برق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں

قیدِ ہستی سے رہائی معلوم
اشک کو بے سر و پا باندھتے ہیں

نشۂ رنگ سے ہے واشدِ گل
مست کب بندِ قبا باندھتے ہیں

غلطی ہائے مضامیں مت پوچھ
لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں

اہلِ تدبیر کی واماندگیاں
آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں

سادہ پُرکار ہیں خوباں کہ اسد
ہم سے پیمانِ وفا باندھتے ہیں

●

بے دماغی حیلہ جوئے ترکِ تنہائی نہیں
ورنہ کیا موجِ نفس زنجیرِ رسوائی نہیں

وحشیِ خو کردۂ نظارہ ہے حیرت جسے
حلقۂ زنجیر جز چشمِ تماشائی نہیں

قطرے کو جوشِ عرق کرتا ہے دریا دستگاہ
جز حیا پرکارِ سعیِ بے سروپائی نہیں

چشمِ نرگس میں نمک بھرتی ہے شبنم سے بہار
فرصتِ نشو و نما سازِ شکیبائی نہیں

کس کو دوں یا رب حسابِ سوزناکی ہائے دل
آمد و رفتِ نفس جز شعلہ پیمائی نہیں

مت رکھ اے انجام غافل سازِ ہستی پر غرور
مور کے پر ہیں سر و برگِ خودآرائی نہیں

۱- اس شعر کے حاشیے پر ایک اصلاح (شکستہ، بد خط) درج ہے جو افسوس ہے کہ مجھ سے ٹھیک طرح پڑھی نہیں گئی۔ شاید
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

سایۂ افتادگی بالیں و بستر ہوں اسد
جوں صنوبر دل سراپا قامت آرائی نہیں

●

[1]ظاہرا سرپنجۂ افتادگاں گیرا نہیں
ورنہ کیا دامان کے حسرت پہ نقشِ پا نہیں

آنکھیں پتھرائی ہیں، نا محسوس ہے تارِ نگاہ
ہے زمیں از بسکہ سنگیں جادہ بھی پیدا نہیں

ہو چکے ہم جادہ ساں صد بار قطع و تا ہنوز
زینتِ یک پیرہن جوں دامنِ صحرا نہیں

ہو سکے ہے پردۂ جوشیدنِ خونِ جگر
اشک بعدِ ضبط غیر از پنبۂ مینا نہیں

ہو سکے کب کلفتِ دل مانعِ طوفانِ اشک
گردِ ساحل سنگِ راہِ جوششِ دریا نہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

''مور کے پر'' کے بجائے ''چیونٹی کے پر'' بنانے کی کوشش کی ہے - لیکن اب اپنے لکھے ہوئے اشارے کی بنا پر میرے لیے کوئی قطعی رائے قائم کرنا دشوار ہے -

۱- اس غزل کا مقطع جو مفتی انوار الحق کے نسخے کے متن میں طبع ہوا ہے، قلمی دیوان کے حاشیے پر موٹے قلم سے شکستہ خط میں درج ہے :

بسمل اس تیغِ دو دستی کا نہیں بچتا اسد
عافیت بیزار شغل کعبتین اچھا نہیں

ہے طلسم[1] دیر میں صد حشرِ پاداشِ عمل
آگہی غافل کہ یک امروز بے فردا نہیں

●

ضبط سے مطلب بجز وارستگی دیگر نہیں
دامنِ تمثالِ آبِ آئنہ سے تر نہیں

ہوتے ہیں بے قدر درکنجِ وطن صاحب دلاں[2]
عزلت آبادِ صدف میں قیمتِ گوہر نہیں

باعثِ ایذا ہے برہم خوردنِ بزمِ سرور
لخت لختِ شیشۂ بشکستہ جز نشتر نہیں

واں سیاہی مردمک ہے اور یہاں داغِ شراب
مہ حریفِ نازشِ ہم چشمیِ ساغر نہیں

ہے فلک بالا نشینِ فیضِ خم گردیدنی
عاجزی سے ظاہرا رتبہ کوئی برتر نہیں

۱- یہاں قلمی دیوان کے متن میں ''طلسم'' کے بجائے کچھ اور لفظ ہے - یوں : ''ہائے . . . دیر میں'' الخ - یہ لفظ بعد میں اس بری طرح کاٹ دیا ہے کہ پڑھا نہیں جاتا مگر شروع کا ''ہائے'' بدستور قائم رہا ہے -

۲- یہ مصرع متن میں پہلے یوں تھا :
''ہوتے ہیں بے قدر در گنج وطن صاحب دلاں
(مفتی انوار الحق کا نوٹ)

دل کو اظہارِ سخن اندازِ فتح الباب ہے
یاں صریرِ خامہ غیر از اصطکاکِ در نہیں
کب تلک پھیرے اسد لب‌ہائے تفتہ پر زباں
طاقتِ لب‌تشنگی اے ساقیِ کوثر نہیں

●

دیکھیے مت چشمِ کم سے سوئے ضبط افسردگاں
جوں صدف پُر دُر ہیں دنداں در جگر افشردگاں
گرمِ تکلیفِ دلِ رنجیدہ ہے از بسکہ چرخ
قرصِ کافوری ہے بہرِ جانِ سرما خوردگاں
رنجشِ دل یک جہاں ویراں کرے گی اے فلک
دشت‌ساماں ہے غبارِ خاطرِ افسردگاں
ہاتھ پر ہو ہاتھ تو درسِ تاسف ہی سہی
شوق مفتِ زندگی ہے اے بہ غفلت مُردگاں
خار سے گل سینہ افگارِ جفا ہے اے اسد!
برگ ریزی ہے پر افشانیِ ناوک خوردگاں

●

[1]صاف ہے ازبسکہ عکسِ گل سے گلزارِ چمن
جانشینِ جوہرِ آئینہ ہے خارِ چمن

۱- اس غزل کے حاشیے پر یہ شعر درج ہے (موٹا قلم، شکستہ):
بر شگالِ گریۂ عشّاق دیکھا چاہیے
کھل گئی مانندِ گل سو جا سے دیوارِ چمن

ہے نزاکت بسکہ فصلِ گل میں معمارِ چمن
قالبِ گل میں ڈھلی ہے خشتِ دیوارِ چمن
تیری آرائش کا استقبال کرتی ہے بہار
جوہرِ آئینہ ہے یاں نقشِ احضارِ چمن
بسکہ پائی یار کی رنگیں ادائی سے شکست
ہے کلاہِ نازِ گل بر طاقِ دیوارِ چمن
الفتِ گل سے غلط ہے دعویِ وارستگی
سرو ہے با وصفِ آزادی گرفتارِ چمن
وقت ہے گر بلبلِ مسکیں زلیخائی کرے
یوسفِ گل جلوہ‌فرما ہے بہ بازارِ چمن
وحشت افزا گریہ ہا موقوفِ فصلِ گل اسد
چشمِ دریاریز ہے میزابِ سرکارِ چمن

●

ردیف و

اگر وہ آفتِ نظارہ جلوہ گستر ہو
ہلال ناخنکِ دیدہ ہائے اختر ہو
بہ یادِ قامت اگر ہو بلند آتشِ غم
ہر ایک داغِ جگر آفتابِ محشر ہو
ستم کشی کا کیا دل نے حوصلہ پیدا
اب اُس سے ربط کروں جو بہت ستمگر ہو
عجب نہیں ہئے تحریرِ حالِ گریۂ چشم
بروے آب جو ہر موج نقشِ مسطر ہو

امیدوار ہوں تاثیرِ تلخ کامی سے
کہ قندِ بوسۂ شیریں لباں مکرّر ہو

صدف کی ہے ترے نقشِ قدم میں کیفیّت
سرشکِ چشمِ **اسد** کیوں نہ اس میں گوہر ہو

●

بے دردِ سر بہ سجدۂ الفت فرو نہ ہو
جوں شمع غوطہ داغ میں کھا گر وضو نہ ہو

دل دے کفِ تغافلِ ابروے یار میں
آئینہ ایسے طاق پہ گم کر کہ تو نہ ہو

زلفِ خیال نازک و اظہار بے قرار
یا رب بیان شانہ کشِ گفتگو نہ ہو

تمثالِ ناز جلوۂ نیرنگِ اعتبار
ہستی عدم ہے آئنہ گر روبرو نہ ہو

مژگاں خلیدۂ رگِ ابرِ بہار ہے
نشتر بہ مغزِ پنبۂ مینا فرو نہ ہو

عرضِ نشاطِ دید ہے مژگانِ انتظار
یارب کہ خارِ پیرہنِ آرزو نہ ہو

واں پر فشانِ دامِ نظر ہوں جہاں **اسد**
صبحِ بہار بھی قفسِ رنگ و بو نہ ہو

●

[1]حسد پیمانہ سے دل عالمِ آبِ تماشا ہو
کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو

بہم بالیدنِ سنگ و گلِ صحرا یہ چاہے ہے
کہ تارِ جادہ بھی کہسار کو زنارِ مینا ہو

۱- (۱) اس غزل کے حاشیے پر حسب ذیل غزل موٹے قلم سے شکستہ خط میں لکھی ہے :

وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو
کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو
چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگ اختلاط کا
ہے دل پہ بار، نقشِ محبت ہی کیوں نہ ہو
ہے مجھ کو تجھ سے تذکرۂ غیر کا گلہ
ہر چند بر سبیل شکایت ہی کیوں نہ ہو
پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا
یوں ہو تو چارۂ غمِ الفت ہی کیوں نہ ہو
ڈالا نہ بیکسی نے کسی سے معاملہ
اپنے سے کھینچتا ہوں، خجالت ہی کیوں نہ ہو
ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں، خلوت ہی کیوں نہ ہو
ہنگامۂ زبونیِ ہمت ہے انفعال
حاصل نہ کیجے دہر سے، عبرت ہی کیوں نہ ہو
وارستگی بہانۂ بیگانگی نہیں
اپنے سے کر، نہ غیر سے، وحشت ہی کیوں نہ ہو

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حریفِ وحشتِ نازِ نسیمِ عشق جب آؤں
کہ مثلِ غنچہ سازِ یک گلستاں دل مہیا ہو

بجائے دانہ خرمن یک بیاباں بیضۂ قمری
مرا حاصل وہ نسخہ ہے کہ جس سے خاک پیدا ہو

کرے کیا سازِ بینش وہ تماشا رنج[1] آگاہی
جسے موئے دماغِ بے خودی خوابِ زلیخا ہو

بہ قدرِ حسرتِ دل چاہیے عیشِ[2] معاصی بھی
بھروں یک گوشۂ دامن گر آبِ ہفت دریا ہو

دلِ چوں شمع بہرِ دعوتِ نظارہ لا ، یعنی
نگہ لبریزِ اشک و سینہ معمورِ تمنا ہو

اگر وہ سرو جاں بخشِ خرامِ اہتزاز آوے
کفِ ہر خاکِ گلشن شکلِ قمری نالہ فرسا ہو

نہ دیکھیں روئے یک دل سرد غیر از شمعِ کافوری
خدایا اس قدر بزمِ **اسد** گرمِ تماشا ہو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مٹتا ہے فوتِ فرصتِ ہستی کا غم کوئی
عمرِ عزیز صرفِ عبادت ہی کیوں نہ ہو

اُس فتنہ خو کے در سے اب اُٹھتے نہیں **اسد**
اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

(ب) عرشی صاحب لکھتے ہیں کہ قلمی نسخے میں اس غزل کے مطلع کے مصرعِ اول میں ''حسد پیانہ سے'' کے بجائے ''حسد پیانہ ہے . . . '' لکھا ہے -

۱- متن میں ''تماشا رنج'' کاٹ کر ''شہید درد'' بنایا ہے -
۲- ''عیش'' کو کاٹ کر ''ذوق'' لکھا ہے -

مبادا بے تکلف فصل کا برگ و نوا گم ہو
مگر طوفانِ مے میں پیچشِ موجِ صبا گم ہو

سببِ وارستگاں کو ننگِ ہمت ہے خداوندا
اثر سرمے سے اور لب ہائے عاشق سے صدا گم ہو

نہیں جز درد تسکینِ نکوہش ہائے بے دردان
کہ موجِ گریہ میں صد خندۂ دنداں نما گم ہو

ہوئی ہے ناتوانی بے دماغِ شوخیِ مطلب
جبیں میں در لباسِ سجدہ اے دست دعا گم ہو

تجھے ہم مفت دیویں یک جہاں چینِ جبیں لیکن
مباد اے پیچ تابِ طبعِ نقشِ مدّعا گم ہو

بلا گردانِ تمکینِ بتاں صد موجۂ گوہر
عرق بھی جن کے عارض پر بہ تکلیفِ حیا گم ہو

اٹھاوے کب وہ جانِ شرم تہمت قتلِ عاشق کی
کہ جس کے ہاتھ میں مانندِ خوں رنگِ حنا گم ہو

کریں خوباں جو سیرِ حسن **اسد** یک پردہ نازک تر
دمِ صبحِ قیامت در گریبانِ قبا گم ہو

خشکیِ مے نے تلف کی مے کدے کی آبرو
کاسۂ دریوزہ ہے پیمانۂ دستِ سبو

بہرِ جاں پروردنِ یعقوب بالِ خاک سے
وام لیتے ہیں پرِ پرواز پیراہن کی بو

گردِ ساحل ہے نمِ شرمِ جبینِ آشنا
گر نہ باندھے قلزمِ الفت میں سر جائے کدو

گرمیِ شوقِ طلب ہے عین تاپاکِ وصال
غافلاں آئینہ‌داں ہے نقشِ پائے جستجو

رہن خاموشی میں ہے آرائشِ بزمِ وصال
ہے پرِ پروازِ رنگِ رفتۂ خوں گفتگو

ہے تماشا حیرت آبادِ تغافل‌ہائے شوق
یک رگِ خواب و سراسر جوشِ خونِ آرزو

خوئے شرمِ سرد بازاری ہے سیلِ خانماں
ہے اسد نقصاں میں مفت اور صاحبِ سرمایہ تو

●

رنگِ طرب ہے صورتِ عہدِ وفا گرو
تھا کس قدر شکستہ کہ ہے جابجا گرو

پرواز نقدِ دامِ تمنائے جلوہ تھا
طاؤس نے اک آئنہ خانہ رکھا گرو

عرضِ بساطِ انجمنِ رنگ مفت ہے
موجِ بہار رکھتی ہے اک بوریا گرو

بہ‌رذّہ‌خاک عرضِ تمنائے رفتگاں
آئینہ‌ہا شکستہ و تمثال ہا گرو

ہے تاک میں سلم ہوسِ صد قدح شراب
تسبیحِ زاہداں بہ کفِ مدّعا گرو

برق آبیارِ فرصتِ رنگِ دمیدہ ہوں
جوں نخلِ شمع ریشے میں نشو و نما گرو

طاقت بساطِ دستگہِ یک قدم نہیں
جوں اشک جب تلک نہ رکھوں دست و پا گرو

ہے وحشتِ جنونِ بہار اس قدر کہ ہے
بالِ پری بہ شوخیِ موجِ صبا گرو

بے تابِ سیرِ دل ہے سرِ ناخنِ نگار
یاں نعل ہے بہ آتشِ رنگِ حنا گرو

ہوں سخت جانِ کاوشِ فکرِ سخن اسد
تیشے کے کوہسار میں ہے یک صدا گرو

●

ردیف ہ

رفتار سے شیرازۂ اجزائے قدم باندھ
اے آبلہ ! محمل پئے صحرائے عدم باندھ

بے کاریِ تسلیم بہر رنگ چمن ہے
گر خاک ہو گلدستۂ صد نقشِ قدم باندھ

اے جادہ ! بہ سر رشتۂ یک ریشہ دویدن
شیرازۂ صد آبلہ جوں سبحہ بہم باندھ

حیرت حدِ اقلیمِ تمنائے پری ہے
آئینہ بہ آئینِ گلستانِ ارم باندھ

پامردِ یک انداز نہیں قامتِ ہستی
طاقت اگر اعجاز کرے تہمتِ خم باندھ
دیباچۂ وحشت ہے اسد شکوۂ خوباں
خوں کر دلِ اندیشہ و مضمونِ ستم باندھ

●

خلق ہے صفحۂ عبرت سے سبق ناخواندہ
ورنہ ہے چرخ و زمیں یک ورقِ گرداندہ
[1]میکدے میں ز دل افسردگیِ بادہ کشاں
موجِ مے مثلِ خطِ جام ہے بر جا ماندہ
خواہشِ دل ہے زباں کو سببِ گفت و بیاں
ہے سخن گرد ز دامانِ ضمیر افشاندہ
کوئی آگاہ نہیں باطنِ ہم دیگر سے
ہے ہر اک فرد جہاں میں ورقِ ناخواندہ
حیف بے حاصلیِ اہلِ ریا پر غالب
یعنی ہیں ماندہ ز آں سو و ازیں سو راندہ

۱- حاشیے پر موٹے قلم سے شکستہ خط میں یہ مصرع یوں بدلا ہے:
"دیکھ کر بادہ پرستوں کی دل افسردہ کیا"
ظاہر ہے کہ اس اصلاح سے حسب ذیل تبدیلی مقصود ہے:
"دیکھ کر بادہ پرستوں کی دل افسردگیاں"
جہاں املا کی اس قسم کی غلطیاں ملتی ہیں، وہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا موٹے قلم کی اس شکستہ تحریر کو غالب کے ہاتھ سے منسوب کرنا ممکن ہے؟

●

بسکہ مے پیتے ہیں اربابِ فنا پوشیدہ
خطِ پیمانۂ مے ہے نفسِ دزدیدہ
بہ غرورِ طرحِ قامت و رعنائیِ سرو
طوق ہے گردنِ قمری میں رگِ بالیدہ
کی ہے وا اہلِ جہاں نے بہ گلستانِ جہاں
چشمِ غفلت نظرِ شبنمِ خور نادیدہ
یاس آئینۂ پیدائیِ استغنا ہے
ناامیدی ہے پرستارِ دلِ رنجیدہ
واسطے فکرِ مضامینِ متیں کے غالب
چاہیے خاطرِ جمع و دلِ آرامیدہ

●

[1]جز دل سراغِ درد بدل خفتگاں نہ پوچھ
آئینہ عرض کر خط و خالِ بیاں نہ پوچھ
[2]پرواز یک تپِ غمِ تسخیرِ نالہ ہے
گرمیِ نبضِ خار و خسِ آشیاں نہ پوچھ

۱- اس غزل کے حاشیے پر یہ شعر درج ہے (موٹا قلم، شکستہ خط):
ہے سبزہ زار ہر در و دیوار غم کدہ
جس کی بہار یہ ہو پھر اس کی خزاں نہ پوچھ
۲- یہ غزل کا دوسرا شعر ہے۔ مفتی انوار الحق کے نسخے میں یہ کسی غلطی سے تیسرا شعر بن گیا ہے۔

ہندوستان سایۂ گل پائے تخت تھا
سامانِ بادشاہیِ وصلِ بتاں نہ پوچھ

تو مشقِ ناز کر دلِ پروانہ ہے بہار
بے تابیِ تجلیِ آتش بجاں نہ پوچھ

غفلت متاع کفۂ میزانِ عدل ہیں[1]
یا رب! حسابِ سختیِ خوابِ گراں نہ پوچھ

ہر داغِ تازہ یک دلِ داغ انتظار ہے
عرضِ فضائے سینۂ درد امتحاں نہ پوچھ

کہتا تھا کل وہ نامہ رساں سے بہ سوزِ دل
دردِ جدائیِ **اسد اللہ خاں** نہ پوچھ

●

جوشِ دل ہے نشہ ہائے فطرتِ بیدل نہ پوچھ
قطرہ ہی میخانہ ہے دریائے بے ساحل نہ پوچھ

ہن گشتن ہائے دل بزمِ نشاطِ گردباد
لذتِ عرضِ کشادِ عقدۂ مشکل نہ پوچھ

آبلہ پیمانۂ اندازۂ تشویش تھا
اے دماغِ نا رسا خمخانۂ منزل نہ پوچھ

نے صبا بالِ پری ، نے شعلہ سودائے جنوں
شمع سے جز عرضِ افسونِ گدازِ دل نہ پوچھ

۱- ''ہیں'' کو موٹے قلم سے کاٹ کر (متن میں) ''ہوں'' بنایا ہے -

یک مژہ برہم زدن حشرِ دو عالم فتنہ ہے
یاں سراغِ عافیت جز دیدۂ بسمل نہ پوچھ

بزم ہے یک پنبۂ مینا گدازِ ربط سے
عیش کر غافل حجابِ نشۂ محفل نہ پوچھ

تا تخلص جامۂ شنگرفی ارزانی **اسد**
شاعری جز سازِ درویشی نہیں حاصل نہ پوچھ

●

شکوہ و شکر کو ثمر بیم و امید کا سمجھ
خانۂ آگہی خراب ، دل نہ سمجھ بلا سمجھ

ریگِ رواں و مرتپش[1] درسِ تسلیِ شعاع
آئنہ طور[2] اے خیال جلوے کو خوں بہا سمجھ

وحشتِ دردِ بیکسی بے اثر اس قدر نہیں
رشتۂ عمرِ خضر کو نالۂ نا رسا سمجھ

شوقِ عناں گسل اگر درسِ جنوں ہوس کرے
جادۂ سیرِ دو جہاں یک مژہ خوابِ پا سمجھ

گاہ بہ خلد امیدوار ، گہ بہ جحیم بیم ناک
گرچہ خدا کی یاد ہے کلفتِ ماسوا سمجھ

اے بہ سرابِ حسنِ خلق تشنۂ سعیِ امتحاں
شوق کو منفعل نہ کر ، ناز کو التجا سمجھ

۱- نسخۂ شیرانی وعرشی : ''ہرتپس'' (بجائے ''مرتپش'') -
۲- عرشی : ''توڑ'' (بجائے ''طور'') -

شوخیِ حسن و عشق ہے آئنہ‌دارِ ہمدگر
خار کو بے نیام جاں ، ہم کو برہنہ پا سمجھ

نغمۂ بیدلی اسد سازِ فسانگی نہیں
بسملِ دردِ خفتہ ہو گریۂ ماجرا سمجھ

●

از مہر تا بہ ذرّہ دل و دل ہے آئنہ
طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئنہ

حیرت ہجومِ لذتِ غلطانیِ تپش
سیماب بالش و کمرِ دل ہے آئنہ

غفلت بہ بالِ جوہرِ شمشیر پرفشاں
یاں پشت چشمِ شوخیِ قاتل ہے آئنہ

حیرت نگاہ‌برق تماشا بہارشوخ
در پردۂ ہوا پرِ بسمل ہے آئنہ

یاں رہ گئے ہیں ناخنِ تدبیر ٹوٹ کر
جوہر طلسمِ عقدۂ مشکل ہے آئنہ

ہم زانوئے تامّل و ہم جلوہ‌گاہِ گل
آئینہ‌بندِ خلوت و محفل ہے آئنہ

دل کارگاہِ فکر و اسد بے‌نوائے دل
یاں سنگِ آستانۂ بیدل ہے آئنہ

●

کلفتِ ربطِ این و آں غفلتِ مدّعا سمجھ
شوق کرے جو سرگراں محملِ خوابِ پا سمجھ

جلوہ نہیں ہے دردِ سر ، آئنہ صندلی نہ کر
عکس کجا و کُو نظر ، نقش کو مدّعا سمجھ

حیرت اگر خرام ہے ، کارِ نگہ تمام ہے
گر کفِ دست بام ہے آئنے کو ہوا سمجھ

ہے خطِ عجز ما و تُو ، اوّلِ درسِ آرزو
کہتے ہیں اہلِ گفتگو کچھ نہ سمجھ فنا سمجھ[1]

شیشہ شکستِ اعتبار ، رنگ بہ گردش استوار
گر نہ مٹیں یہ کوہسار ، آپ کو تو صدا سمجھ

نغمہ ہے محوِ سازِ رہ ، نشہ ہے بے‌نیازِ رہ
رند تمام نازِ رہ ، خلق کو پارسا سمجھ

چربیِ پہلوئے خیال رزقِ دو عالم احتمال
کل ہے جو وعدۂ وصال آج بھی اے خدا سمجھ

نے سرو برگِ آرزو ، نے رہ و رسمِ گفتگو
اے دل و جانِ خلق تو ہم کو بھی آشنا سمجھ

۱- اس مصرع کے پہلے تین لفظوں کے نیچے متن میں موٹے قلم سے شکستہ خط میں یہ اصلاح درج ہے : ''ہے یہ سیاق۔''

لغزشِ پا کو ہے بلد ، نغمۂ یاعلی مدد
ٹوٹے گر آئنہ اسد سبحے کو خوں بہا سمجھ

●

ردیف ی

دل ہی نہیں کہ منّتِ درباں اٹھائیے
کس کو وفا کا سلسلہ جنباں اٹھائیے

تا چند داغ بیٹھیے ، نقصاں اٹھائیے
اب چار سوئے عشق سے دوکاں اٹھائیے

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اٹھائیے
طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے

ہستی فریب نامۂ موجِ سراب ہے
یک عمر نازِ شوخیِ عنواں اٹھائیے

ہے سنگ پر براتِ معاشِ جنونِ حق
یعنی ہنوز منّتِ طفلاں اٹھائیے

ضبطِ جنوں سے ہر سرِ مو ہے ترانہ خیز
یک نالہ بیٹھیے تو نیستاں اٹھائیے

طرزِ خراشِ نالہ سرشکِ نمک اثر
لطفِ کرم بدولتِ مہماں اٹھائیے

دیوار بارِ منّتِ مزدور سے ہے خم
اے خانماں خراب نہ احساں اٹھائیے

یا میرے زخمِ رشک کو رسوا نہ کیجیے
یا پردۂ تبسمِ پنہاں اٹھائیے

انگور سعیِ بے سر و پائی سے سبز ہے
غالب بدوشِ دل خُمِ مستاں اٹھائیے

●

[1] ہے بزمِ بتاں میں سخن آزردہ لبوں سے
تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں سے

۱۔ اس غزل کے حاشیے پر موٹے قلم سے بد خط شکستہ میں حسب ذیل سات ابیات اقل ہوئے ہیں :

مسجد کے زیرِ سایہ خرابات چاہیے
بھوں پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہیے
وہ بات چاہتے ہو کہ جو بات چاہیے
صاحب کے ہم نشیں کو کرامات چاہیے
عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک اور شخص پر
آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے
دے داد اے فلک دلِ حسرت پرست کی
ہاں کچھ نہ کچھ تلافیِ مافات چاہیے
سیکھے ہیں مہ رخوں کے لیے ہم مصوّری
تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیے
ہے مے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے
نشو و نما ہے اصل سے غالب فروع کو
خاموشی ہی سے نکلے ہے جو بات چاہیے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)